R. NO. 2186/57

REGD. N. L. 922

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ ہائے اشاعت
۲۲-۱۵-۸-۱

فون نمبر ۲۹
سالانہ قیمت ۵ روپے
فی کاپی ۱۵ پیسے

جلد ۲۸۔ شمارہ ۸ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۲۲ر فروری ۱۹۶۹ء

آل احمد سرور

دہلی میں غالب صدی کی تقریبات

غالب صدی کی تقریبات کا آغاز دہلی میں بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ شہر میں جابجا غالب کے پوسٹر لگے ہوئے تھے۔ اخباروں میں صدی کی تقریبات کے سلسلے میں برابر خبریں آرہی تھیں۔ ۱۳، ۱۴ر فروری کو دہلی یونی ورسٹی میں پروفیسر رشید احمد صدیقی نے نظام لیکچرس کے سلسلے کے دو لیکچر غالب پر دئے۔ ۱۴ر فروری کو پروفیسر مجیب کی غالب پر انگریزی میں کتاب ساہتیہ اکاڈمی کی طرف سے ایک خاص تقریب میں ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی نائب صدر اکاڈمی نے ریلیز کی۔ اس موقع پر پروفیسر مجیب نے غالب پر ایک تقریر کی۔ ۱۵ر فروری کو مزار غالب پر فاتحہ اور قوالی ہوئی اور مزار پر پھول چڑھائے گئے۔ مرکزی غالب صدی کمیٹی کی طرف سے ۱۶ر فروری کو وگیان بھون میں تقریبات کا آغاز ہوا۔ ڈائس پر صدر کے پیچھے ستیش گجرال کی بنائی ہوئی غالب کی تصویر سب کی توجہ کا مرکز تھی۔ یہ تصویر دس سال پہلے گجرال نے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے شعبہ اردو کے لیے بنائی تھی۔ شروع میں جناب فخرالدین علی احمد سکریٹری نے صدر جمہوریہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے اعلان کیا کہ غالب میموریل ہال کے لیے پچاس لاکھ روپیہ چندہ فراہم کرنے کا ارادہ ہے جس میں سے نصف کے قریب جمع ہو چکا ہے۔ وزیر اعظم اپنی علالت کی وجہ سے شریک نہ ہو سکیں مگر ان کی تقریر پڑھی گئی۔ ڈاکٹر ذاکر حسین نے اپنے خطبے میں غالب کی شخصیت اور شاعری کی تہذیبی اہمیت پر زور دیا۔ انھوں نے غالب کے خلوص اور فیاضی کو حق محبت کے نام سے یاد کیا اور اردو زبان کے متعلق کہا کہ "اس میں بھی دوستی کا وہ مادہ ہے جو خود غالب میں تھا اور یہ حق محبت بھی غالب کی طرح ادا کر سکتی ہے"۔ غالب کے عشق کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس میں ہر رنگ ہے۔ یہاں عشق ایک طاقت بن جاتا ہے جو دنیا کو بنا بھی سکتی ہے اور بگاڑ بھی سکتی ہے۔ آخر میں انھوں نے فرمایا:۔

خدا کرے ہمارے دلوں میں وہ بے چینی رہے جو غالب کے دل میں تھی اور ہم اپنے اپنے طریقے پر انسان اور انسانیت کو ان بلندیوں تک پہنچانے کی کوشش میں لگے رہیں جن کا عکس غالب کے کلام میں نظر آتا ہے۔

افتتاحیہ خطبہ کے بعد بیگم اختر نے غالب کی مشہور غزل "آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک" نہایت خوش الحانی سے سنائی۔ یہ ایک بڑے فن کار کا ایک عظیم فن کار کو خراج تھا جس کی قدر و قیمت کو سبھی نے محسوس کیا۔ ایران کے پروفیسر لطف علی صورت گر نے غالب کی شان میں ایک فارسی قصیدہ پڑھا۔ اس کے بعد غالب کی فارسی غزلوں کے کچھ ریکارڈ بجائے گئے اور آخر میں غالب پر وہ فلم دکھائی گئی جو فلم ڈویژن کی طرف سے تیار کی گئی ہے۔ یہ فلم بائیس منٹ کی ہے۔ اس میں غالب کے ایک خط کی مدد سے ان کی زندگی کے خط و خال پیش کئے گئے ہیں۔ دہلی کی عبرت، عظمت اور دلآویزی۔ اس دور کی تہذیب کی رنگا رنگی، خود غالب کی ابتدائی زندگی کی رندی و بدمستی، کلکتے میں نئی مغربی تہذیب کے نقوش، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی خون آشامی اور غالب کے آخر عمر کے حزن و ملال، سب کی بڑی بلیغ تصویریں پیش کی گئی ہیں۔

چار بجے شام کو ڈاکٹر وی۔ کے۔ آر۔ وی۔ راؤ وزیر تعلیم نے غالب اور ان کے عہد پر نمائش کا افتتاح کیا۔ یہ نمائش شمیم زیدی کی دو سال کی محنت کا نتیجہ ہے۔ اس کی کامیابی میں کرشن آنند کی ماہرانہ فوٹو گرافی اور مالک رام کی قدم قدم پر مدد کو بھی دخل ہے۔ بائیس حصوں میں اس شاندار نمائش میں غالب کی تصانیف، ان کی تحریروں، اس دور کے آثار و اشغال، لباس، زیورات، ان کے ہمعصروں کی تصاویر، غالب کی تصانیف کے پہلے ایڈیشن اور غالب پر بعض نادر کتابیں، غرض معلومات اور بصیرت کا بہت کچھ سامان ہے۔ ضرورت ہے کہ یہ نمائش ہندوستان کے خاص خاص شہروں میں دکھائی جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

شام کو چھ بجے سپرو ہاؤس میں بیگم اختر اور کچھ اور فن کاروں نے غالب کی غزلیں گائیں اور نو بجے شب کو پندرہ ہندی کے ممتاز کویوں نے غالب کو خراج عقیدت پیش کیا۔

دل نے ایسی بالیدگی اور سرخوشی شاید ہی کبھی محسوس کی ہو سارے دن مجھے یا محسوس ہوتا رہا کہ ہیں نشے میں ہوں۔　(باقی)

لکھنؤ میں ایوان غالب کا سنگ بنیاد

لکھنؤ۔ مرکزی غالب سیکٹری کے زیر اہتمام غالب صدی کے جشن کے موقع پر یہاں ریاستی گورنر ڈاکٹر بی۔ گوپالا ریڈی نے غالب بھون کا سنگ بنیاد رکھا جس کی تعمیر پر ۲ لاکھ روپیہ کا اندازہ کیا گیا ہے۔ غالب کی یہ یادگار رفاہ عام کلب کی بلڈنگ کے جنوبی حصے میں قائم کی جائے گی جو کہ رفاہ عام کلب ایسوسی ایشن کی جانب سے اس یادگار کے لئے دیا گیا ہے۔　(قومی آواز)

ساہتیہ اکاڈمی انعامات کے لئے کتابوں کا انتخاب

نئی دہلی۔ ساہتیہ اکاڈمی انعامات برائے ۱۹۶۸ء کے لئے مختلف ہندوستانی زبانوں کی دس کتابیں چن لی گئی ہیں یہ انتخاب اکاڈمی مذکور کے ایگزیکٹو بورڈ کی میٹنگ میں کیا گیا جو یہاں اکاڈمی کے نائب صدر ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی کی صدارت میں ہوئی۔ اس سال آسامی، گجراتی ہندی، کنڑ، ملیالم، مراٹھی، ناگا، اڑیہ، پنجابی، سنسکرت، سندھی، تامل میں لکھی کتابوں کو انعام دیا گیا ہے۔

شعبۂ اردو مسلم یونی ورسٹی میں پروفیسر داؤد رہبر کا استقبال

علی گڑھ ۱۸ر فروری شعبۂ اردو مسلم یونی ورسٹی میں بوسٹن یونیورسٹی کے مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے پروفیسر داؤد رہبر کو استقبالیہ دیا گیا۔ پروفیسر داؤد رہبر کا استقبال کرتے ہوئے سرور صاحب نے فرمایا کہ پروفیسر داؤد رہبر جو پروفیسر محمد اقبال مرحوم کے صاحبزادے ہیں اور جنھوں نے حال ہی میں اردو خطوط غالب کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ بین اقوامی غالب سیمینار میں شرکت کے لئے بوسٹن، امریکہ سے تشریف لائے تھے اور میری دعوت پر علی گڑھ آئے ہیں۔ یہ چار سال انقرہ یونی ورسٹی میں، اور دو سال میک گل میں رہے ہیں اور اب بوسٹن یونی ورسٹی میں مذہبی علوم کی فیلڈ میں تحقیقی کام کر رہے ہیں پروفیسر رہبر کی انقرہ یونی ورسٹی اور امریکہ میں اردو زبان و ادب کے سلسلہ میں جو سرگرمیاں ہیں ان سے متعلق اپنے تاثرات بیان کئے انھوں نے کہا کہ ترکی میں مشکل کو اب بھی اردو کہتے ہیں اور یہی وجہ تھی کہ جب میں انقرہ یونی ورسٹی میں اردو کی تعلیم دے رہا تھا تو میرے بیشتر طالب علم بھی تھے۔ پروفیسر رہبر نے کہا کہ آج بھی انقرہ یونی ورسٹی میں اردو کی چیئر موجود ہے امریکہ میں اردو زبان و ادب کی رفتار کے سلسلہ میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ میں پروفیسر کینٹول اسمتھ کی ساعی سے اردو ترقی کر رہی ہے وہاں چودہ یونیورسٹیوں میں اردو کی تعلیم ہوتی ہے میک گل یونی ورسٹی کی لائبریریوں میں تقریباً سات ہزار اردو کتابیں موجود ہیں۔ امریکہ میں اردو کی تعلیم تین سال میں پوری ہوتی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس سلسلہ کو اور بڑھایا جائے اس کے لئے اردو کے عالموں کا امریکی یونی ورسٹیوں سے وابستہ ہونا ضروری ہے۔ آخر میں پروفیسر رہبر نے غالب کے خطوط اور ان کی کچھ فارسی اردو غزلوں کا انگریزی ترجمہ حاضرین کو سنایا۔ پروفیسر سرور کے شکریہ کے ساتھ جلسہ ختم ہوا۔

اردو کے عظیم شاعر نظیر آبادی کی یادگار قائم ہوگی

آگرہ۔ اردو زبان کے عظیم شاعر حضرت نظیر اکبر آبادی کی شاندار یادگار قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا جس کے لئے تین ایکڑ سے زیادہ کا ایک وسیع قطعہ آراضی خریدا جائے گا اس فیصلے کا اعلان نظیر میلہ کمیٹی کی جانب سے کیا گیا ہے جو ہر سال بسنت کے موقع پر ان کے عرس اور میلہ کا انتظام کرتی ہے۔ مجوزہ یادگار ایک عمدہ چوخنا باغ اور ایک بڑی لائبریری پر مشتمل ہوگا۔ لائبریری میں نظیر کی تخلیقات اور ان سے متعلق کتابوں کا بیش بہا ذخیرہ جمع کیا جائے گا۔　(سیاست)

تین تذکرے

دہلی۔ مکتبۂ برہان، اردو بازار دہلی کی نئی پیش کش "تین تذکرے" حال میں شائع ہو گئی ہے۔ یہ تذکرہ مجمع الانتخاب مولفہ شاہ محمد کمال تذکرہ طبقات الشعراء مولفہ قدرت اللہ شوق اور تذکرہ گل رعنا مولفہ لچھمی نارائن شفیق کی تلخیص ہے جسے جناب نثار احمد فاروقی نے مقدمہ و حواشی کے ساتھ تیار کیا ہے۔ ادبیات اردو کی تاریخ کے سلسلے میں یہ تذکرے نہایت اہم اور بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔　(نامہ نگار)

تذکرۂ مقالات الشعراء

دہلی۔ علمی مجلس دلی کی تازہ ترین پیش کش تذکرۂ مقالات الشعراء مولفہ قیام الدین حیرت اکبر آبادی منظر عام پر آگئی ہے۔ یہ ان شعرائے فارسی گو کا تذکرہ ہے جو عہد اورنگ زیب سے زمانۂ عالمگیر ثانی تک ہندوستان میں گرم سخن تھے۔ تذکرہ ۱۱۷۳ھ (۱۷۵۹ء) میں لکھا گیا اور اس کا صرف ایک قلمی نسخہ دستیاب ہوا ہے جو رضا لائبریری رام پور کی ملکیت ہے۔ دوسرے قلمی نسخے کا ذکر ڈاکٹر اشپرنگر نے فہرست کتب خانہ شاہان اودھ میں کیا ہے لیکن یہ ناپید ہو چکا ہے۔ تذکرہ مقالات الشعرا کے متن کی تصحیح جناب نثار احمد فاروقی نے کی ہے اور اس پر ایک جامع مقدمہ بھی لکھا ہے۔　(نامہ نگار)

ڈاکٹر ابو محمد سحر

گاندھی جی اور اردو ادب

یوں تو زندگی کے متعدد میدان ہیں جن میں انسانی افکار و اعمال عظیم سے عظیم تر کی جستجو میں روزِ ازل سے سرگرداں ہیں لیکن مذہب، اخلاق، سیاست اور سماجی اصلاح کے میدانوں میں انسانی افکار و اعمال کی جولانیاں ہر زمانے میں سب سے زیادہ نتیجہ خیز اور ہمہ گیر ثابت ہوئی ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں شخصی عظمت کی جلوہ سامانیاں عموماً ان میں سے کسی ایک میدان تک محدود نظر آتی ہیں۔ ایسی عظیم شخصیتیں بہت کم ہوئی ہیں جن کے افکار و اعمال نے ان سبھی اہم میدانوں کو مسخر کر لیا ہو۔ فکر و عمل کا تضاد، اور مذہبی و اخلاقی قدروں اور سیاست اور سماج کی وقتی ضرورتوں کا تناقض افکار و اعمال کی ہم آہنگی اور ہمہ جہتی دونوں کے لئے سدِ راہ رہا ہے۔ خصوصاً مذہب و اخلاق اور سیاست کی خلیج کو پر کرنا تو انسانی فکر و تجربے کے لئے اتنا مشکل ہو گیا کہ جدید انسانی ذہن نے اس باب میں عام طور پر اپنی شکست کا اعتراف کر لیا اور یا تو مذہب و اخلاق اور سیاست کو متوازی خطوں کی حیثیت دے دی یا مذہب و اخلاق کو سیاست کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا۔ گاندھی جی نہ صرف ایک عظیم شخصیت بلکہ ایک ہمہ گیر عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے افکار و اعمال میں ہمہ جہتی کے ساتھ ساتھ مذہب و اخلاق اور سیاست کا ایک ایسا سنجوگ دکھائی دیتا ہے کہ اگر ان کی ذات کو دورِ حاضر کی شکست خوردہ اصول سازی اور ظالمانہ مصلحت پسندی کی تلافی کے لئے قدرت کا ایک عطیہ قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

قدیم ہندوستان سنتوں کا دیس تھا جدید ہندوستان نے بہت سے سیاست داں پیدا کئے لیکن قدیم و جدید کا امتزاج گاندھی جی کے نئے وقت تھا۔ ان کی ذات میں ایک سنت سیاست داں نے جنم لیا۔ ان کی یہی انفرادیت ہے جو انھیں دوسرے سیاست دانوں سے ممتاز کرتی ہے۔ گاندھی جی کی سیاسی زندگی کا آغاز اس وقت ہوا جب انھوں نے جنوبی افریقہ میں انسانی حقوق کی پامالی دیکھی اور ان کے تحفظ کے لئے ستیہ گرہ کا طریقہ اپنایا۔ لیکن اس کا تعلق افریقہ میں بسنے والے ہندوستانیوں سے تھا، دوسرے عملی سیاست میں یہ نیا اور چونکا دینے والا طریقہ ہندوستان کی روایات و حالات سے گہری مناسبت رکھتا تھا۔ چنانچہ ہزاروں میل کے فاصلے کے باوجود قومی سیاست کی تمام تر توجہ گاندھی جی پر مرکوز ہو گئی اور جب وہ افریقہ سے واپس آکر ملک کی سیاست میں داخل ہوئے تو بہت جلد انھیں سب سے بڑے قومی رہنما کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

گاندھی جی کی بے مثال قیادت کا سب سے بڑا مقصد ملک کو بدیسی سامراج سے آزاد کرانا تھا۔ یہ مقصد ان کے زمانے کے دوسرے قومی رہنماؤں کو بھی عزیز تھا لیکن گاندھی جی مقصد کے ساتھ طریق کار کو بھی دیکھنے والے انسان تھے۔ ان کی بڑائی کا راز یہی ہے کہ انھوں نے نہ صرف آزادی بلکہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام بلند آدرشوں کے حصول کے لئے اپنے ملک اور دنیا کو ایک ایسا طریق کار دیا جو حق و انصاف، قربانی اور خدمت خلق کے اعلیٰ ترین تصورات پر مبنی تھا۔ انھوں نے روحانیت، صداقت، عدم تشدد، سادگی، تیاگ، مذہبی رواداری اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی روش اختیار کی اور دوسروں کو تلقین کرنے سے پہلے خود اپنی زندگی کو اس کا مثالی نمونہ بنایا۔ بیسویں صدی کی مادہ پرستی، جبر و تشدد، خود غرضی، تنگ نظری اور عیاشی و زیبائش کے ماحول میں یہ طریق کار انوکھا بھی تھا اور کٹھن بھی۔ چنانچہ اس کو مدنظر رکھ کر گاندھی جی نے ملک کے سامنے جو خیالات پیش کئے اور جو تحریکیں چلائیں ان پر سیاسی حلقوں میں بھی پہلا ردعمل حیرت و تعجب کا ہوا۔ بہتوں نے ان کی باتوں کو ناقابل عمل قرار دے کر ان کی ہنسی اڑائی، ان کی مخالفت کی یا خاموش تماشائی کا رول ادا کیا۔ لیکن رفتہ رفتہ گاندھی جی کی شخصیت اور خیالات کا جادو بھی چل کر رہا۔ اگرچہ آزادی کی لڑائی میں بعض سیاسی قیادت بھی نہایت دور رس اور تاریخ ساز اثرات کی حامل ہوتی ہے لیکن گاندھی جی نے یہ لڑائی اتنے وسیع پیمانے پر کی کہ قومی زندگی کا کوئی شعبہ

یوسف یکتا

آؤ ہم سب مل کر جاگیں

امن کی نگری
میرے وطن میں
کیسے بھوٹے
آگ کے شعلے خون کے دھارے
کس پاپی نے
پیار بھری نگری میں آکر
پیار کے ناطے رشتے توڑے
ماؤں کے سکھ چین کو لوٹا
بہنوں کا سندور مٹایا
ہندو مسلم، سکھ، عیسائی
آپس میں سگے بھائی بھائی
کس پاپی نے
پیار کا جھوٹا ڈھونگ رچا کر
نفرت کی اک شمع جلائی
بستی بستی آگ لگائی
بازاروں میں دھول اڑائی
چیخوں کا طوفان اٹھا کر
کس پاپی نے پیار بھری نگری کو لوٹا
ہندو مسلم سکھ عیسائی
آؤ ہم سب مل کر جاگیں
پیار بھری نگری میں اپنی کوئی پاپی آنے نہ پائے

اس سے اثر قبول کئے بغیر نہ رہ سکا اور ان کے نظریات اور طریق کار نے کسی نہ کسی حیثیت سے سارے ملک کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ ایسی صورت میں یہ ناممکن تھا کہ ان کے زمانے کے ادیب اور شاعر ان کے خیالات اور عملی سرگرمیوں سے متاثر نہ ہوتے۔

کسی زبان کے ادیبوں اور شاعروں سے یہ توقع مشکل ہی سے کی جاسکتی ہے کہ وہ کسی سیاسی رہنما کے نظریات اور طریق کار کو حلقہ جوں کا توں اپنا لیں کیونکہ ایک زبان میں ہر طرح کے نظریات و خیالات رکھنے والے ادیب و شاعر ہوتے ہیں اس کے علاوہ کسی سیاسی رہنما سے عقیدت رکھنے کے باوجود ادیب و شاعر مختلف مسائل پر اپنی سوجھ بوجھ سے بھی کام لیتے ہیں۔ پھر بھی بیسویں صدی کے اردو ادب پر گاندھی جی کی شخصیت اور کارناموں کا گہرا اثر دکھائی دیتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ خود گاندھی جی کی تحریروں کا ایک اہم سرمایہ اردو میں منتقل ہوا، اردو نثر میں ان کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اردو کے ادیبوں میں پریم چند نے گاندھی جی کے نظریات و خیالات سے جو مستقل اثر قبول کیا ہے وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ان کے افسانوں اور ناولوں میں سیاسی، سماجی اور اخلاقی موضوعات کی پیش کشی سے لے کر نقطۂ نظر کی تشکیل تک گاندھیائی تعلیمات کی روح اس حد تک کارفرما ہے کہ ان کی فنکارانہ انفرادیت کو تھوڑی دیر کے لئے نظر انداز کر دیا جائے تو آسانی سے کہا جاسکتا ہے کہ اگر گاندھی جی افسانہ نگار ہوتے تو وہی کچھ لکھتے جو پریم چند نے لکھا ہے۔

اردو شاعری میں گاندھی جی کے اثرات اسی وقت سے نظر آنے لگتے ہیں جب سے وہ سیاسی دنیا میں روشناس ہوئے۔ قومی سیاست کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ اردو کے چھوٹے بڑے شعرا نے اس کثرت سے ان کے خیالات اور سیاسی سرگرمیوں کی تائید یا تردید میں نظمیں اور اشعار لکھے ہیں کہ نہ تو یہ سارا ذخیرہ آسانی سے سامنے رکھا جاسکتا ہے اور نہ اس مختصر مضمون میں اس کا سیر حاصل تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔ تاہم اس نوع کی شاعری میں ان کی شخصیت جس طرح زیر بحث آتی رہی اس کی ابتدائی جھلکیاں چکبست، اکبر الہ آبادی اور ظفر علی خاں کے کلام سے پیش کی جاسکتی ہیں۔ چکبست نے ۱۹۱۳ء میں جنوبی افریقہ میں ٹرانسوال کے واقعات سے متاثر ہو کر "فریاد قوم" کے عنوان سے ایک نظم لکھی تھی۔ یہ نظم ایک رسالے کی صورت میں شائع ہوئی تھی جسے چکبست نے گاندھی جی کے نام سے اس طرح معنون کیا تھا۔

بخدمت فدائے قوم مسٹر کرم چند گاندھی

نثار ہے دل شاعر ترے قرینے پر   کیا ہے نام ترا نقش اس نگینے پر

اس کے بعد ۱۹۱۶ء میں انھوں نے ہوم رول پر اپنی مشہور نظم "وطن کا راگ" میں گاندھی جی کا ذکر اس طرح کیا۔

ہمارے واسطے زنجیر و طوق گہنا ہے   وفا کے شوق میں گاندھی نے جس کو پہنا ہے
سمجھ لیا کہ ہمیں رنج و درد سہنا ہے   مگر زباں سے کہیں گے وہی جو کہنا ہے

طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

لیکن چکبست کی سیاسی شاعری ہوم رول کی تحریک سے آگے نہ بڑھ سکی۔ چنانچہ اس زمانے میں گاندھی جی سے والہانہ حسن عقیدت کا اظہار کرنے کے باوجود ترک موالات اور خلافت کی تحریکوں کے موقع پر وہ ان کی ہمنوائی نہ کر سکے۔ اس زمانے میں ہندوستانی سیاست پر گاندھی جی کی شخصیت جس طرح چھا گئی تھی اور اس کے جو پیچ در پیچ اثرات ملک کے مختلف طبقوں اور فرقوں پر پڑ رہے تھے اس کا اندازہ اکبر الہ آبادی کے شعروں سے ہوتا ہے۔ اکبر الہ آبادی نے اپنے زمانے کے دوسرے حالات کی طرح ترک موالات اور خلافت کی تحریکوں سے بھی طنز و ظرافت کا کافی مواد فراہم کیا۔ گاندھی جی کی شخصیت اور حکمت عملی پر ان کی خاص عنایت رہی۔ اس زمانے کا ان کا ایک مشہور شعر ہے۔

بدھو میاں بھی حضرت گاندھی کے ساتھ ہیں   گو خاک راہ ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں

انھوں نے اس موضوع پر اپنے مخصوص طنزیہ اور ظریفانہ انداز کے علاوہ اپنی سیاسی سوجھ بوجھ اور مصلحت اندیشیوں کا بھی مظاہرہ کیا لیکن گاندھی جی کی عظمت کے دباؤ کو وہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ انھوں نے "گاندھی نامہ" کے عنوان سے ۲۰۰ اشعار کا ایک رسالہ ترتیب دیا جس میں انھیں کے الفاظ میں "مہاتما گاندھی کے وعظ ترک موالات پر بیسیوں پہلو سے نظر کی گئی ہے۔" اس رسالے کے چند متفرق اشعار ملاحظہ ہوں۔

انقلاب آیا نئی دنیا نیا افسانہ ہے   شاہنامہ ہو چکا اب دور گاندھی نامہ ہے

جے کی بھی صدا اٹھے گی چرخے بھی چلیں گے   لیکن یہ سمجھ لیجئے صاحب نہ ٹلیں گے

مے فروشی کو تو روکوں گا میں باغی ہی سہی   صرف پانی سے ہے بہتر مجھے کالا پانی

آگے تمہارے رنگ کسی کا نہیں جما   جے ہو تمہاری اے مرے گاندھی مہاتما

شکر گاندھی کو ہتھیاروں کی کچھ حاجت نہیں   ہاں مگر بے انتہا صبر و قناعت چاہئے

یہی گاندھی سے کہہ کر ہم تو بھاگے   قدم جمتے نہیں صاحب کے آگے

ظفر علی خاں شاعر سے زیادہ صحافی تھے۔ ان کی شاعری کا بڑا حصہ منظوم صحافت کی ذیل میں آتا ہے۔ گاندھی جی سے اختلاف کے بعد انھوں نے ان کی مخالفت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی لیکن ترک موالات اور خلافت کی تحریکوں کی رہنمائی کے اعتراف میں ان کے اشعار سے گاندھی جی کی شخصیت کا اثر بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔

گاندھی نے آج جنگ کا اعلان کر دیا   باطل سے حق کو دست و گریبان کر دیا
ہندوستاں میں ایک نئی روح پھونک دی   آزادیٔ حیات کا سامان کر دیا
تن من کیا نثار خلافت کے نام پر   سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر دیا

وہ پیسے پیسے کا چند دن میں فرنگیوں سے حساب لے گا
لنگوٹی والا ہمارا گاندھی حیا تا بھی مقیم بھی ہے

جھک گئی گاندھی کے آگے کس طرح سرکار دیکھ
کس طرح ہوتا ہے مظلوموں کا بیڑا پار دیکھ

(باقی آئندہ)

آغا کامل رزمی

اردو نگراں کمیٹی کی خدمت میں

اہم معروضات

اخباری اطلاعات سے صرف نظر حکومت اتر پردیش کے ماہنامہ "نیا دور" بابتہ ماہ جنوری ۱۹۷۶ء صفحہ ۲۵، ۲۷ ملاحظہ فرمایئے جو بجنسہ درج ذیل ہے:۔

"حکومت اتر پردیش نے لسانی اقلیتوں کی جائز شکایتوں کو دور کرنے اور ان کے تحفظ سے متعلق جو مختلف اقدامات کئے گئے ہیں ان پر یقینی طور پر عمل درآمد کے مقصد سے چھ ممبروں پر مشتمل ایک نگراں کمیٹی کی تشکیل کی ہے۔ اس کمیٹی کے چیرمین گورنر ڈاکٹر بی گوپال ریڈی ہیں۔ کمیٹی کے دوسرے ممبران شری آنند نرائن ملا ایم پی، پروفیسر آل احمد سرور، جناب حیات اللہ انصاری ایم پی، سکریٹری محکمہ تعلیم شری یکیاجیتی اور محکمہ اطلاعات کے سکریٹری اور لسانی اقلیتوں کے افسر (کمیٹی کے سکریٹری) ہیں۔

ریاست میں اردو بولنے والوں کو تعلیم اور نظم و نسق میں ہر طرح ضروری تحفظ اور سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ احکام بھی جاری کیے گئے ہیں کہ اردو بولنے والوں کو اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے اور اردو بحیثیت ایک مضمون پڑھنے کے سلسلے میں جو کچھ سہولتیں دی گئی ہیں وہ بدستور جاری رہیں گی۔ اس کے علاوہ لسانی اقلیتوں کے تحفظ کے سلسلے میں اور جو سہولتیں دی گئی ہیں ان پر مکمل طور پر عملدرآمد ہوگا۔ حکم میں کہا گیا ہے کہ یہ سہولتیں کم نہیں کی جائیں گی۔

حکومت کو وقتاً فوقتاً اردو اداروں اور تنظیموں سے ایسی شکایتیں موصول ہوئی ہیں کہ اس سلسلے میں سرکاری احکام پر عملدرآمد نہیں ہو رہا ہے اور اس طرح اردو بولنے والوں کے لیے بہت زیادہ دقت پیدا ہوگئی ہے۔ ایسی تمام شکایتوں کی جانچ کی جاتی ہے اور انھیں دور کرنے کے لئے مناسب اقدامات کئے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں زیادہ توجہ دینے کے لئے اردو کمیٹی کی جگہ یہ کمیٹی قائم کی گئی ہے۔"

اس مرحلہ پر اردو نگراں کمیٹی کی تشکیل ایک صحت مند اور امید افزا اقدام ہے بارہ کرم ممبران کمیٹی حسب ذیل معروضات ملاحظہ فرمائیں جن پر عملدرآمد سے اردو کا کما حقہ تحفظ ہونا یقینی ہے۔

ابتدائی تعلیم

۱- ۶ سے ۱۱ سال تک کی عمر کے لڑکے اور لڑکیوں کو پرائمری تعلیم دینا حکومت کی اولین ذمہ داری ہے۔ بچوں کی یہ تعداد کل آبادی کا ۱۵ فیصد حصہ ہوتی ہے مثلاً اگر اتر پردیش میں اردو بولنے والے ایک کروڑ ہوں تو لازمی تعلیم کی زد میں ۱۵ لاکھ لڑکے لڑکیاں ہوں گے۔ اس کے علاوہ ۵ فیصدی کے حساب سے اضافہ (GROWTH RATE) بھی رہے گا۔ لہٰذا اتنی تعداد کے لئے اردو پرائمری اسکول، اردو مدرسین، ٹیکسٹ بکس، نقشوں اور چارٹوں وغیرہ کا معقول انتظام ہونا چاہئے۔

۲- مکاتب اسلامیہ کا سلیبس تیار کیا جائے۔ جدید مکاتب

باقر مہدی

طوفاں کی تمنا کون کرے؟

(جذبی صاحب کی نذر)

آورش کے سرکس دیکھ چکے اک اور تماشا کون کرے!
زخموں کی نمائش جاری ہے ہر شام نظارہ کون کرے!

سب رونق تھی آئینے تک اب تنہا ویراں چہرے ہیں
ٹوٹے ہوئے شیشے کون گنے بے سمت اشارہ کون کرے!

اڑتا سا دھواں ہے بالوں میں بجلی کی چمک ہے آنکھوں میں
وحشت ہے وہی سرکش جیسی پھر خواہش دنیا کون کرے!

ساحل کی تمنا میں سب نے طوفان سے رشتے توڑ لئے
ساحل پہ جھلکتے پھرتے ہیں طوفاں کی تمنا کون کرے!

سب دوست ہیں کوئی غیر نہیں سب غیر ہیں کوئی اور نہیں
غیروں کو کوئی اپنائے کیوں اپنوں سے تقاضا کون کرے!

اک آگ لپٹ کر برف بنی اک برف پگھل کر جل اٹھی
اس آگ کو روشن کون کرے اس آب کو ٹھنڈا کون کرے!

اقبال بھی کتنے سادہ تھے یزداں سے شکایت کرتے تھے
انساں کے مظالم کا یارو اللہ سے شکوہ کون کرے!

جذبی کی غزل بہتر ہی رہی ہاں زور بہت مارا باقر
یہ زور ہی آخر لے ڈوبا پر آپ سے جھگڑا کون کرے!

کو تسلیم کیا جائے اور گرانٹ دی جائے۔ نیز مکتب فائنل امتحان مقرر کر کے رائج کیا جائے۔

۳۔ جملہ ضلع پریشدیں اور میونسپل بورڈ پرائمری تعلیم کے ذیل میں شعبۂ اردو کا بجٹ وغیرہ جداگانہ رکھیں نیز اس میں حسب ضرورت اضافہ کی گنجائش بھی رکھیں۔

۴۔ مکاتب اور اردو اسکولوں کا معائنہ اردو میں ہی تحریر کیا جائے۔

۵۔ اردو نائٹ اسکولوں اور شبینہ مدارس کا سروے کیا جائے اور ان کو بھی منظوری اور گرانٹ عطا کی جائے۔

۶۔ درجہ پنجم تک کی بیسک ریڈریں زبان کے نقطۂ نظر سے کافی اصلاح طلب ہیں، بعض بعض اسباق تو اردو کے قطعی معلوم نہیں ہوتے۔ اس کا مناسب تدارک ہونا چاہیے۔

۷۔ تعلیمی نمائشوں اور اسکولی مقابلوں میں اردو کے آئٹم مثلاً بیت بازی، مکالمے، خوشخطی وغیرہ بھی رکھے جائیں۔

ثانوی تعلیم

۸۔ ذریعہ تعلیم۔ درجہ پنجم سے آگے اردو اترپردیش میں کہیں ذریعہ تعلیم نہیں جب کہ آندھرا، کشمیر اور بہار، شہر جیسی ریاستوں میں ہائر سکنڈری کے آخری درجہ تک اردو ذریعہ تعلیم ہے بہترین تعلیمی اصول اور حق و انصاف کی رو سے انٹرمیڈیٹ اسٹینڈرڈ تک اردو ذریعہ تعلیم ہونی چاہیے تاکہ وہ طلبہ اور طالبات جن کی مادری زبان اردو ہے بسہولت جملہ مضامین کی تعلیم حاصل کر سکیں۔ درجہ پنجم تک اردو پڑھنے کے بعد یکایک درجہ ششم سے جملہ مضامین ہندی میں پڑھانے کا نظم غیر فطری ہے۔ لہٰذا ثانوی درجات میں اردو بھی ذریعہ تعلیم ہو اور جملہ مضامین کی درسی کتابیں اردو میں فراہم ہوں۔

۹۔ ایلیمنٹری اردو۔ اترپردیش میں سہ لسانی فارمولے کے تحت اردو کی کچھ تحدید ہوئی تو عملاً درجہ ششم سے درجہ ہشتم تک دو طرح کی اردو وجود میں آئی۔ ایک ایڈوانس اور دوسری ایلیمنٹری اردو۔ جن طلبہ و طالبات نے درجہ پنجم تک اردو نہیں پڑھی وہ درجہ چھ میں اردو کی ابتدا کرتے ہیں اور درجہ آٹھ میں درجہ چار کے بقدر خواندگی پوری کرتے ہیں۔ گذشتہ سال یہ ایلیمنٹری اردو اترپردیش کے تقریباً دس اضلاع میں جاری ہوگئی ہے مگر افسوس کہ درجہ ہشتم کے بعد اردو میں کوئی ایلیمنٹری کورس نہیں اور چونکہ طالب علم ایڈوانس اردو چلانے کا اہل نہیں ہوتا لہٰذا مجبوراً اسے اردو چھوڑنی پڑتی ہے۔ لہٰذا شدید اور فوری ضرورت ہے کہ ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کلاسوں کے لئے بھی ایلیمنٹری اردو کی ٹیکسٹ بکس اور سلیبس تیار ہوں نیز تعلیم کی سہولتیں فراہم ہوں تاکہ طالب علم میں اردو کی WORKING KNOWLEDGE تو آجائے قبل ازیں ایلیمنٹری ہندی کے جملہ کورس بھی بے کم و کاست انٹرمیڈیٹ کے معیار تک پڑھائے جاتے رہے ہیں۔

۱۰۔ غیر نصابی سرگرمیاں۔ تعلیمی نمائشوں اور اسکولی مقابلوں میں اردو کے مشاعروں، ڈراموں، مضمون نگاری، قوالی، خوش نویسی اور کلچرل پروگراموں کو بھی مناسب مقام دیا جائے۔

پلان اسکیم اور اردو

۱۱۔ پنج سالہ منصوبوں کی پیش قدمی سے ۶ تا ۱۱ سال کی عمر کے سو فیصدی لڑکے اور ۵۰ فیصدی لڑکیاں پرائمری تعلیم سے اب تک بہرہ ور ہو جانی چاہئیں۔ اس غرض سے مختلف پلان اسکیموں کے تحت بے شمار پرائمری، نسواں پرائمری اور جونیر ہائی اسکول کھولے گئے مگر اردو میڈیم اسکول شاید ہی کوئی کہیں کھلا ہو اور اردو نسواں اسکول کھولنے کا تو تصور بھی نہیں آیا حالانکہ GIRLS ENROLMENT کا بڑھانا گورنمنٹ کا خاص مطمح نظر رہا۔ اس سرد مہری کا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکے عموماً اور لڑکیاں خصوصاً باوجود کوشش بسیار سرکاری اسکولوں میں داخل نہیں ہوتے اس لئے تدارک کے لئے

الف۔ جہاں ایک ہزار کے قریب اردو بولنے والی آبادی ہو وہاں مخلوط اردو میڈیم اسکول کھولا جائے۔

ب۔ جہاں دو ہزار کے قریب اردو بولنے والی آبادی ہو وہاں ایک لڑکوں کے لئے اور ایک لڑکیوں کے لئے جداگانہ اردو پرائمری اسکول کھولے جائیں۔ اس کے علاوہ اردو جونیر ہائی اسکول بھی کھولا جائے۔

ج۔ جہاں پانچ سو یا کم اردو کی آبادی ہو وہاں مخلوط اور نسواں پرائمری اسکولوں میں آدھا مدرس اردو کی تعلیم کے لئے تعینات کیا جائے۔

۱۲۔ موجودہ پنج سالہ منصوبہ میں اردو میں تعلیم حاصل کرنے والے پرائمری اور جونیر ہائی اسکول کے طلبہ و طالبات کے لئے وظائف، کتابی امداد اور دیگر سہولتوں کا انتظام کیا جائے۔

اردو مدرسین کی ٹریننگ

۱۳۔ تیس سال پیشتر جملہ نارمل اسکولوں اور جونیر ٹریننگ کالجوں میں اردو ذریعہ تعلیم تھی نیز اردو طریق تعلیم کی بھی پوری ٹریننگ دی جاتی تھی مگر اب یہ سہولت ختم کر دی گئی ہے جس کی وجہ سے اردو کے ٹرینڈ مدرسین قطعی نہیں ملتے۔ لہٰذا

الف۔ ہر ضلع میں مردوں کے لئے ایک گورنمنٹ اردو نارمل اسکول کھولا جائے۔

ب۔ ہر کمشنری میں عورتوں کے لئے ایک گورنمنٹ اردو نارمل اسکول (نسواں) کھولا جائے۔

ج۔ جونیئر اور سینئر ٹریننگ کالجوں میں اردو طریق تعلیم کی ٹریننگ کا انتظام کیا جائے۔
د۔ سنٹرل پیڈاگاجیکل انسٹی ٹیوٹ الہ آباد میں اردو کا شعبہ قائم کیا جائے۔
ہ۔ اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن الہ آباد میں بھی اردو کا خصوصی شعبہ قائم کیا جائے۔
۱۴۔ چونکہ اردو کے ٹرینڈ ٹیچر بہم نہیں ہیں لہذا بوقت تقرر اور مستقل اردو ٹیچر کو دس سال کے لئے ٹریننگ کی قید سے مستثنیٰ کیا جائے، پرائمری اسٹیج پر ہائی اسکول (اردو) کے علاوہ ادیب یا کسی دوسرے مساوی امتحان کو نیز جونیئر ہائی اسکول کے لئے انٹرمیڈیٹ (اردو)، ادیب ماہر یا اور کسی مساوی امتحان کو سرکار TEACHERS' ●UAL IFICATIONS کے ذیل میں منظور کرے۔ اس طرح اردو ٹیچر کافی دستیاب ہوں گے اور ان کو SECURITY OF SERVICES بھی ہوگی۔

اردو انسپکٹریٹ

۱۵۔ آج کل اترپردیش میں اردو اسکولوں کے معائنہ کا معقول انتظام نہیں، نچلی سطح پر اکثر سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس اور ایجوکیشن سپرنٹنڈنٹ خود ہی اردو سے ناواقف ہوتے ہیں اور کمشنری کی سطح پر ڈپٹی انسپکٹر آف اردو میڈیم اسکولس عموماً متعلقہ ڈپٹی ڈائرکٹر آف ایجوکیشن ہی کا ہاتھ بٹاتے رہتے ہیں۔ مہاراشٹر ریاست میں کارپوریشن ہی نہیں بلکہ دیہاتی علاقوں تک کے لئے جداگانہ اردو انسپکٹریٹ ہے پھر اترپردیش تو اردو کا گہوارہ ہے لہذا یہاں تو اردو انسپکٹریٹ کی مزید ضرورت ہے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل تجویز مناسب حال ہے۔
الف۔ ہر تحصیل میں اردو میڈیم اسکولوں کے معائنہ کے لیے جداگانہ ایک سب ڈپٹی انسپکٹر آف اسکول تعینات ہو جو پرائمری اسکولوں اور مکاتب کے علاوہ اردو جونیئر ہائی اسکولوں کے معائنہ کا بھی مجاز ہو۔
ب۔ ان ہی اختیارات کے ساتھ ہر ضلع میں ایک اسسٹنٹ انسپکٹریس آف گرلس اسکول تعینات ہو۔
ج۔ ہر ضلع میں ایک گزیٹیڈ ڈپٹی انسپکٹر آف اردو اسکولس ہو جو اپنے معائنوں کے علاوہ سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس اور اسسٹنٹ انسپکٹریس نسواں مدارس کے کاموں کا بھی نگراں ہو نیز اردو سے متعلق مختلف اعداد و شمار کی فراہمی اور توسیع و اشاعت کا بھی ذمہ دار ہو۔
د۔ کمشنری کی سطح پر ایک ایسوسی ایٹ انسپکٹر آف اردو اسکولس نیز ایک ڈپٹی انسپکٹریس آف گرلس اسکولس (اردو) کا تقرر ہو۔ ان کا پورا آفس بھی ہونا چاہئے۔ یہ ہائی اسکول اور انٹر کالجوں میں اردو سے متعلق معائنہ کا کام کریں۔ گرانٹ سے متعلق بھی ان کو کچھ اختیارات ہوں۔
ہ۔ ایجوکیشن ڈائرکٹریٹ میں اردو کا جداگانہ شعبہ قائم کیا جائے جو ایک ڈپٹی ڈائرکٹر کی سرکردگی میں ہو۔
و۔ ایجوکیشن سکریٹریٹ میں بھی اردو کا جداگانہ شعبہ قائم ہونا چاہئے۔
ز۔ معائنہ فارم اور محکمہ تعلیم کا دیگر لٹریچر بھی مناسب مقدار میں اردو زبان میں مہیا کیا جانا چاہئے۔

دفاتر اور اردو

۱۶۔ کلرکوں کی خاصی تعداد اردو داں ہونی چاہئے جبکہ ہیڈ کلرک اور جملہ افسران کو اردو کی ورکنگ نالج کم از کم ہائی اسکول کے بقدر ضروری قرار دی جائے۔
۱۷۔ دفاتر اور سڑکوں وغیرہ کے نام اردو میں بھی تحریر کئے جائیں۔ زبان اور رسم الخط ہر دو اردو ہوں
۱۸۔ سرکاری احکامات اور گزٹ وغیرہ اردو میں بھی شائع کئے جائیں۔
۱۹۔ اردو درخواستوں کے جوابات اردو میں دئے جائیں۔
۲۰۔ اردو میں عدالتی عرضی دعویٰ اور جوابات وغیرہ داخل کرنے کی عام اجازت ہو۔
۲۱۔ آئی ٹیچرس ٹریننگ اسکولوں اور کالجوں میں اردو کا بھی کورس پڑھایا جائے جیسا کہ پولس ٹریننگ کالج میں اردو بھی ایک لازمی مضمون ہے۔
امید کہ اردو نگراں کمیٹی نیز اترپردیش کی سرکار ان امور پر نہ صرف توجہ بلکہ عمل درآمد کی کوشش کرے گی تاکہ سیکولرزم اور قومی یکجہتی کو اس ریاست میں فروغ اور پائندگی نصیب ہو۔

مراسلہ

"فارسی میں ڈی لٹ"

۸ر دسمبر کے ہماری زبان میں ڈاکٹر شاہپور پار کھر کا استفسار نظر سے گزرا۔ موصوف نے اس ضمن میں جو کچھ لکھا ہے وہ بیشتر سنی سنائی باتوں پر مبنی ہے۔ حقیقت کیا ہے؟ اس کا اندازہ تہران یونیورسٹی کے کیلنڈر میں اس کورس سے متعلق درج شدہ اصول و قواعد سے بخوبی ہو سکتا ہے کیلنڈر کے صفحات ۲۰۳، ۲۰۴ کا ترجمہ (انگریزی) درج ذیل ہے۔

غیر ملکی طلبہ کے لئے فارسی زبان و ادب کا خصوصی پروگرام

شعبۂ ادبیات فارسی، تہران یونیورسٹی اپنے باقاعدہ کورسوں کے ساتھ غیر ملکی طلبہ کے لئے ایک خصوصی پروگرام پیش کرتا ہے۔

۱۔ یہ ایک خصوصی پروگرام ہے جو صرف غیر ملکی طلبہ کے لئے فارسی کی استعداد کو بڑھانے یا اپنے خاص موضوع میں اعلیٰ تعلیم (ایڈوانس) حاصل کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔

۲۔ یہ تین سالہ خصوصی پروگرام صرف غیر ملکی طلبہ کے لئے ہے اور اس میں دو قسم کے طلبہ داخلہ لے سکتے ہیں۔

(الف) جو کسی ڈگری کی خواہش کے بغیر پڑھنا چاہتے ہیں۔

(ب) جو کسی ڈگری کے لئے پڑھنا چاہتے ہیں۔

۳۔ پہلی قسم کے طلبہ کو صرف رجسٹرار تہران یونیورسٹی سے اجازت حاصل کرنا پڑے گی۔

۴۔ دوسری قسم کے طلبہ کے پاس فارسی زبان و ادب یا ایشیائی علوم یا اسلامی علوم (مثلاً تاریخ، عربی، ترکی، اردو) یا فلسفۂ عہد وسطیٰ یا سائنس یا تاریخ فنون لطیفہ وغیرہ مضامین میں سے کسی ایک مضمون میں بی۔ اے یا اس کے برابر تعلیمی لیاقت ہونی چاہئے۔ دوسری قسم کے طلبہ کے پاس اگر ان مضامین میں سے کسی مضمون میں بی۔ اے یا اس کے برابر تعلیمی لیاقت کی کوئی ڈگری نہ ہو تو انھیں فارسی زبان میں کم از کم ایک سرٹیفکٹ کورس ضرور پاس ہونا چاہئے۔

۵۔ اس تعلیمی لیاقت کے جو طلبہ تین سالہ کورس کامیابی کے ساتھ پورا کریں گے انھیں ایم۔ اے کی ڈگری دی جائے گی جن طلبہ کا کام ایم اے کے پہلے دو برسوں میں کافی اچھا ہوگا اور ان کے پروفیسر سفارش کریں گے انھیں ایم۔ اے کے تیسرے سال میں مقالہ لکھنے کی اجازت دی جائے گی اور مقالے کی منظوری پر انھیں فیکلٹی آف لیٹرس کی (یونی ورسٹی کی نہیں) ڈگری "دکترا ادبیات" (برائے دانشجویان خارجی) دی جائے گی۔

تہران یونی ورسٹی کے ان اصول و قواعد سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اس تین سالہ کورس کو کامیابی کے ساتھ پورا کرنے پر تہران یونیورسٹی جو بنیادی ڈگری دیتی ہے وہ ایم۔ اے (برائے دانشجویان خارجی) ہے کچھ ہوشیار طلبہ کو ایم۔ اے کے تیسرے سال میں مقالہ لکھنے پر ایم اے کی ڈگری کے طفیل میں فیکلٹی کی "دکترا ادبیات" (برائے دانشجویان خارجی) کی ڈگری بھی مل جاتی ہے۔ بہرحال اس نام نہاد ڈی لٹ (تہران) یعنی "دکترا ادبیات" (برائے دانشجویان خارجی) کی حقیقت یہی ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تہران یونی ورسٹی کی ایم اے کو ہندوستانی یونی ورسٹیوں کی ایم اے فارسی کے برابر تسلیم کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ میرے خیال میں تہران یونی ورسٹی کی اس ایم اے (برائے دانشجویان خارجی) کو ہندوستانی یونی ورسٹیوں کی ایم اے کے برابر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ تہران کی ایم اے میں داخلے کے لئے جس کم از کم تعلیمی استعداد کی ضرورت ہے وہ صرف ایک سرٹیفکٹ کورس ہے کیونکہ قواعد کے مطابق اگر کسی طالب علم کے پاس بی اے نہ ہو تو صرف سرٹیفکٹ کے طفیل میں بھی وہ اس کورس میں داخل ہو سکتا ہے اور تین سال میں ایم اے اور ایم اے کی طفیلی "ڈگری" بھی لے سکتا ہے جبکہ ہندوستانی یونی ورسٹیوں میں ایم اے فارسی میں داخلہ لینے کے لئے بی۔ اے فارسی کی شرط لازمی ہوتی ہے۔ مزید برآں تہران یونی ورسٹی سے صرف تین یا سوا تین برس میں ایم اے کی ڈگری مل سکتی ہے جبکہ ہندوستان میں ایک طالب علم کو ساتویں درجے سے لے کر سولھویں درجے تک فارسی پڑھنا پڑتی ہے۔ اور یہاں دس سال صرف کرنا پڑتے ہیں۔

یہاں یہ بتا دینا بھی بے محل نہ ہوگا کہ ہندوستانی یونی ورسٹیوں میں بھی ایم اے کے آخری سال میں کچھ ہوشیار طلبہ کو ایک یا دو پرچوں کے عوض میں مقالہ DISSERTATION لکھنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ لیکن اس مقالے کو یہاں پی۔ ایچ۔ ڈی یا ڈی لٹ نہیں کہا جاتا ہے، اور نہ ڈگری پر اس مقالہ کا ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ یہ مقالہ پرچوں کے عوض میں لکھا جاتا ہے۔ انگلستان میں کچھ طلبہ ایم اے کے پورے پرچوں کے ساتھ مقالہ لکھتے ہیں تو ان کی ایم اے کی ڈگری پر "ایم اے مع مقالہ" کے الفاظ درج کئے جاتے ہیں۔ وہاں بھی اس مقالے کو "ڈاکٹری" نہیں کہا جاتا۔

(غلام محمد ڈار)

انجمن ترقی اردو راجستھان کا جلسہ

جے پور سوائی جے سنگھ اردو ریڈنگ روم جے پور میں انجمن ترقی اردو راجستھان کا جلسہ ہوا جس میں حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں۔

(۱) ایجوکیشن منسٹر صاحب راجستھان سے ایک وفد جلد سے جلد مل کر اردو کے تعلیمی مسائل حل کرائے۔

تجویز ۲۔ اردو ریڈنگ روم کے انتظام اور دیگر معاملات کے لئے ایک سب کمیٹی بنائی گئی۔ تجویز ۳۔ یادگار غالب کے سلسلے میں جو مضامین دفتر نیات انجمن نے طلب کی تھیں ان کی اشاعت ہو۔ تجویز ۴۔ چونکہ ابتک بچند وجوہ اردو گھر کے لئے چندہ نہ ہو سکا تھا لہٰذا یہ طے ہوا کہ اب چندہ کیا جائے۔ چنانچہ چند شرکا نے اپنے چندے درج کرائے اور بعض صاحبان نے عنایت بھی کر دئے۔ قرار پایا کہ دیگر اصحاب سے بھی چندہ فراہم کر کے مرکزی انجمن کو بھیجا جائے اور مقامی شاخوں کو بھی لکھا جائے کہ وہ بھی چندہ فراہم کر کے بالا بالا مرکزی انجمن کو بھیجیں اور نقل دفتر ہذا میں بھیجدیں۔
(محمد احتشام الدین عثمانی اسسٹنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان)

انجمن ترقی اردو ہیرن پور کی خبریں

پربہروا میں انجمن ترقی اردو کی میرسازی

ہیرن پور (سنتھال پرگنہ) جناب کمال الدین صدیقی، نائب سکریٹری بہار ریاستی انجمن ترقی اردو پربہروا میں انجمن کی شاخ کے قیام کے سلسلے میں پہنچے۔ ایک جلسہ ہوا جس میں علاقہ کے تمام اردو داں حضرات شریک تھے، یہ طے پایا کہ پربہروا میں بھی ایک شاخ انجمن کی قائم کی جائے۔

ہیرن پور میں غالب صدی کی تیاریاں

ہیرن پور (سنتھال پرگنہ) مقامی انجمن ترقی اردو ہیرن پور کی ایک نشست غالب صدی کے انعقاد پر غور وخوض کرنے کے لئے زیر صدارت جناب ڈاکٹر اختر عالم منعقد ہوئی۔ اتفاق رائے سے یہ طے پایا کہ اس مہینے میں غالب صدی کا انعقاد بڑے پیمانے پر کیا جائے اور ساتھ ہی مضمون نگاری کا مقابلہ بھی طلبہ وطالبات کے درمیان کیا جائے۔ جناب کمال الدین صدیقی نے غالب صدی کے انعقاد سے متعلق ایک خاکہ پیش کیا۔

بزم جمال کی ادبی نشست

بزم جمال، انجمن ترقی اردو ہیرن پور کی ایک خصوصی ادبی نشست زیر صدارت جناب ڈاکٹر اختر عالم انصاری، میڈیکل افسر ہیرن پور منعقد ہوئی جس میں ہندی و اردو کے شعرا نے اپنے کلام سے محظوظ فرمایا۔

انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے عہدیداروں کا انتخاب

حیدرآباد۔ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے جدید انتخابات پچھلے ہفتے عمل میں آئے جس میں حسب ذیل عہدے داروں اور اراکین مجلس انتظامی کو متفقہ طور پر منتخب کیا گیا۔ (۱) نواب میر احمد علی خاں۔ صدر (۲) ڈاکٹر سید عبدالمنان۔ نائب صدر (۳) پروفیسر حبیب الرحمٰن۔ معتمد عمومی وخازن (۴) عابد علی خاں۔ شریک معتمد (۵) مسز حسن نواس لاہوٹی۔ معتمد تنظیمی۔ (۶) پدما بھوشن پروفیسر ہارون خاں شروانی۔ رکن مجلس انتظامی۔ (۷) جناب سید محمد یونس۔ رکن مجلس انتظامی (۸) جناب ڈی رامانج راؤ رکن مجلس انتظامی (۹) ڈاکٹر راج بہادر گوڑ۔ رکن مجلس انتظامی۔ (۱۰) محترمہ رضیہ محمد مرزا۔ رکن مجلس انتظامی۔ (۱۱) محترمہ زینت ساجدہ۔ رکن مجلس انتظامی۔ (۱۲) ڈاکٹر حسینی شاہد۔ رکن مجلس انتظامی (۱۳) جناب حکیم یوسف حسین خاں۔ رکن مجلس انتظامی۔ (۱۴) جناب منوہر راج سکسینہ ایڈوکیٹ۔ رکن مجلس انتظامی۔ (۱۵) جناب سید رحمت علی۔ رکن مجلس انتظامی (۱۶) جناب پی۔ نرسا ریڈی ایم ایل اے (عادل آباد)۔ رکن مجلس انتظامی (۱۷) جناب ٹی۔ ایچ۔ پیراں نظامی (اننت پور)۔ رکن مجلس انتظامی (۱۸) جناب نصرت فاروقی ایڈوکیٹ (محبوب نگر)۔ رکن مجلس انتظامی (۱۹) مکند لال مسرا، ایڈوکیٹ (کریم نگر)۔ رکن مجلس انتظامی (۲۰) عبدالوہاب تسنیم (نیلور)۔ رکن مجلس انتظامی (۲۱) پروفیسر فقیر پاشاہ (کرنول)، رکن مجلس انتظامی۔ (نامہ نگار)

اردو کو اس کا جائز حق دیا جائے

لکھنؤ۔ ممتاز ماہر لسانیات ڈاکٹر بھگوت سرن اپادھیائے نے یہاں کہا کہ ہندی ہی ملک میں رابطہ کی زبان ہو سکتی ہے اور انگریزی کا نعم البدل ثابت ہو سکتی ہے۔ اب تک دنیا میں کہیں بھی رابطہ کی زبان کا درجہ کسی غیر ملکی زبان کو نہیں دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر اپادھیائے ایک پریس کانفرنس کو خطاب کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ وہ اس بات کے حق میں ہیں کہ ملک کے جن حصوں میں اردو بولی جاتی ہے۔ وہاں اسے اس کا جائز حق اور مقام دیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ یہ کہنا غلط ہو گا کہ اردو اور ہندی دو علیحدہ زبانیں ہیں دونوں کے صرف ونحو میں مماثلت ہے مگر انداز جدا جدا ہیں اور ان میں سنسکرت، فارسی اور عربی کی آمیزش ہے مگر کمی یا زیادتی کے ساتھ دونوں کے لسانی ارتقار اور ان کے فعل تقریباً یکساں ہیں۔ (قومی آواز)

دلی میں غالب صدی تقریبات کا آغاز

نئی دلی۔ ۱۵ فروری یہاں پر اہالیان دلی نے اردو کے عظیم اور عہد آفریں شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالب کو خراج عقیدت پیش کیا۔ غالب کمیٹی دلی کے زیر اہتمام ایک اجتماع میں غالب کی شعری اور ادبی زندگی کی عظمت کا تذکرہ کرتے ہوئے نائب صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر وی وی گری اور دلی کے لیفٹننٹ گورنر جناب اے این جھانے غالب کو رواداری اور سیکولرزم کا علمبردار قرار دیا۔ اس اجتماع میں آل انڈیا غالب کمیٹی کے سکریٹری اور مرکزی وزیر صنعتی ترقیات واندرونی تجارت جناب فخرالدین علی احمد نائب وزیر قانون جناب یونس سلیم اور یونی ورسٹیوں اور کالجوں کے اردو اساتذہ راجدھانی کے ادبا وشعرا نیز زندگی کے تمام شعبوں سے

تعلق رکھنے والے نمائندہ حضرات کے علاوہ وہ غیر ملکی اسکالر بھی شریک تھے جو غالب پر بین اقوامی سیمینار میں شرکت کے لئے دلی تشریف لائے ہوئے ہیں ان میں جاپان کے پروفیسر سوا، روس کے ڈاکٹر گلیا بیلیاوا، ڈاکٹر سیخیپف اور روس کے ڈاکٹر نجیب، ایران کے ڈاکٹر صورت گر، جرمنی کے ڈاکٹر جان مارک، اٹلی کے پروفیسر توسانی افغانستان کے پروفیسر عبداللہ سنان، برطانیہ کے پروفیسر رالف رسل شامل ہیں۔ آج کی تقریب سے غالب صدی تقریبات کا آغاز ہوگیا۔ کل سے آل انڈیا غالب کمیٹی کی تقریبات شروع ہو رہی ہیں۔ آج کی تقریب میں پروگرام کے مطابق مزار غالب پر فاتحہ خوانی اور گلپاشی ہوئی، اس میں نائب صدر جمہوریہ ہند جناب سب گری جناب فخرالدین علی احمد، غیر ممالک سے آئے ہوئے عالموں اور دوسرے حضرات نے حصہ لیا۔ مشہور قوال چوکیوں نے غالب کی غزلیں گائیں۔ بعد ازاں بڑا اجتماع عرس محل میں ہوا، علامہ ٹوپی ناتھ امن علامہ انور صابری اور جناب روش صدیقی نے غالب کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ دلی غالب کمیٹی کے چیرمین اور دلی کے لفٹننٹ گورنر جناب اے این جھا نے نائب صدر جمہوریہ ہند کا خیر مقدم کیا۔ جناب گری نے تقریب کا افتتاح کرتے ہوئے ایک پر مغز تقریر فرمائی۔ ڈاکٹر یوسف حسین نے غالب اور اس کی شاعری پر تقریر کی۔ جناب فخرالدین علی احمد نے اپنی تقریر میں نائب صدر جمہوریہ ہند، غیر ملکی اسکالروں اور دوسرے حضرات کا اس تقریب میں شرکت کے لئے شکریہ ادا کیا۔ آخر میں ملک کے مشہور موسیقاروں نے غالب کی غزلیں پیش کیں۔ ابتدا میں انجمن ترقی اردو کی طرف سے بہار برنی نے جناب فخرالدین علی احمد صاحب اور ڈاکٹر یوسف حسین خاں کو ہار پہنایا اور فخرالدین علی احمد صاحب نے نائب صدر جمہوریہ کو پھولوں کا ہار پہنایا اور ان کا خیر مقدم کیا۔ اختتام پر ادیبوں، شاعروں، صحافیوں اور ادب سے تعلق رکھنے والے دیگر حضرات کی چائے سے تواضع کی گئی۔

(الجمعیۃ)

صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین کا غالب کو خراج عقیدت

نئی دلی ۱۶ فروری صدر ذاکر حسین نے یہاں وگیان بھون میں مرزا اسداللہ خاں غالب کی سو سالہ برسی کی ہفتہ بھر جاری رہنے والی تقریبات کا افتتاح کیا۔ تین ہزار سے زائد الفاظ میں انھوں نے اردو اور فارسی کے عظیم شاعر کو نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ تقریبات کا آغاز غزل خوانی سے ہوا۔ طہران یونیورسٹی کے پروفیسر لطف علی صورت گر نے غالب کی یاد میں ایک غنائی نظم سنائی۔ انھوں نے غالب کی شاعری کے وہ ریکارڈ جنھیں ایران کی ثقافتی امور اور فنون لطیفہ کی وزارت نے تیار کیا ہے ایران کی حکومت اور ادبی برادری کی جانب سے پیش کئے دو دلی کی ایک دستاویزی فلم "غالب" بھی دکھائی گئی۔ تقریب میں موجود لوگوں میں مرکزی وزراء ڈی۔ کے آر وی راؤ، فخرالدین علی احمد، آئی کے گجرال اور پروفیسر شیر سنگھ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر حسین نے اپنے افتتاحی خطبے میں کہا کہ "آج ہم مرزا غالب کی وفات کی سو سالہ برسی منا رہے ہیں اور دنیا کے کئی ملک اس مبارک تہذیبی کام میں ہمارے ساتھ شریک ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سب منتظر تھے کہ یہ وقت آئے تو جو کچھ ہو سکتا ہے کریں اور ان کے منصوبوں میں خلوص کی ایک شان نظر آتی ہے جس سے بہت کم شاعروں کو نوازا جاتا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اب غالب کا کلام ہی نہیں بلکہ ان کی شخصیت کا جو مقام ہماری تاریخ اور تہذیب میں ہے وہ نمایاں ہو جائے گا اور نمایاں رہے گا۔

غالب کو ایک تہذیب ورثے میں ملی تھی جسے انھوں نے اس طرح اپنایا کہ اس کا ایک کامل نہیں تو مثالی نمونہ بن گئے۔ ہمیں اب یہ تہذیب ہندوستان کی سماجی تاریخ کا دور معلوم ہونے لگی ہے اور ہم بھول جاتے ہیں کہ اس کی بنیاد کیسے اعلیٰ اخلاقی اصولوں پر تھی۔ ایک اصول تھا۔ انسان سے محبت کرنا۔ غالب نے اس اصول کو دل سے مانا اور اس پر عمل کیا۔ ایک خط میں لکھتے ہیں "میں بنی آدم کو مسلمان یا ہندو یا نصرانی عزیز رکھتا ہوں اور اپنا بھائی گنتا ہوں، دوسرا مانے یا نہ مانے۔"

اسی محبت نے انھیں اپنی تہذیب کے دوسرے اصول پر عمل کرنا سکھایا، ان کے دل میں فیاضی اور خیر خواہی کوٹ کوٹ کر بھر دی جو کچھ اپنے پاس ہو تب سوچے بلکہ بے اختیار ضرورت مند کو دینے کے لئے تیار ہو جاتے، کوئی فقیر ان کے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جاتا، دوست کی مال سے مدد کرنا اپنے لئے بڑی سعادت جانتے تھے، عزیزوں کی پرورش کی ذمہ داریاں برابر بڑھاتے رہے۔ ان کی آرزو تھی کہ ایک عالم کے میزبان بنیں اور یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم جس شہر میں رہتے ہوں اس میں کوئی بھوکا اور ننگا دکھائی نہ دے۔ یہ تھے ان کے حوصلے جب کہ ان کی آمدنی ساٹھے باسٹھ روپے ماہوار تھی اور گھر کا خرچ مشکل سے چلتا تھا۔ شاید فیاضی کرنا ان کے لئے اتنا ہی لازمی تھا جتنا کہ جینے کے لئے سانس لینا۔ اور ہمیں سمجھنا چاہیے کہ اگر کہیں اعمال اور نیت کا حساب رکھا جاتا ہے غالب کی فیاضی کا حساب روپے آنے پائی میں نہ رکھا جائے گا بلکہ یہ مانا جائے گا کہ ایک گنہگار بندے کے دل میں اس کے رب کی ربوبیت کا عکس نظر آتا تھا اور وہ اپنے حاجت مند بھائیوں کی حاجت پوری کرنے کی ایسی آرزو رکھتا تھا کہ جو کچھ وہ کرنا چاہتا تھا اور کر نہ پایا اس کا بھی اسے ثواب ملنا چاہیے۔ فیاضی اور خلوص کا ساتھ چولی دامن کا ساہے۔ غالب کا خلوص ایک طرف اس سادہ وہٹ میں نظر آتا ہے جس سے انھوں نے اپنی کمزوریوں کا اعتراف کیا۔ دوسری طرف ان کی دوست داری میں اور اس اعلیٰ مرتبے میں جو انھوں نے وفاداری کو دیا۔ کون تھا جو غالب کی کسی عادت کو چاہے وہ عام طور پر بری مانی جاتی ہو معاف نہ کر دیتا جب وہ اپنے پیارے طریقے پر اس کا ذکر کرتے۔ اور کون ہے جو اس سے یہ نتیجہ نکالے گا کہ اصل چیز دل

کی اصفائی ہے عیبوں کی ناپ تول نہیں ہے۔ دوستوں سے غالب کو جو لگاؤ تھا جس بے چینی سے وہ ملاقات کے اور ملاقات نہیں تو خط کے منتظر رہتے تھے اس کا حال ان کے خطوں سے معلوم کیجئے تو دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ کاش ہم بھی دوست رکھتے، اور ان سے اسی طرح محبت کر سکتے۔ دراصل آدمی دوست نہ رکھتا ہو اور دوستی کا حق نہ ادا کر سکتا ہو تو اس کا کوئی مذہب کوئی دھرم نہیں ہوتا۔

نہیں کچھ سبحہ و زنار کے پھندے میں گیرائی   وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

یہ وفاداری کس سے ہوگی، خدا سے، اصول سے یا دوست سے؟ شاید غالب کا جواب یہ ہوتا کہ کوئی مسلمان کہے کہ میں مسلمان ہوں اس لئے مجھے پسند کرو، کوئی ہندو کہے کہ میں ہندو ہوں اس لئے مجھے پسند کرو، تو بھی یہ بات میرے جی کو نہیں لگتی۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ جو آدمی دوسروں کے ساتھ وفاداری اور خلوص نہ برتے وہ تسبیح اور جنیو کو خدا اور انسان کو پہچاننے کے لئے ایک پھندا بناتا ہے۔ خلوص اور دوستی کا ایک سماج اور تہذیبی پہلو تھا جسے حق صحبت کہتے تھے۔ اسی کا رس نکال دیا جائے تو وہ چیز باقی رہ جاتی ہے جسے ہم رواداری کہتے ہیں۔ یہ ہمارے لئے کافی ہو سکتی ہے؟ غالب کی نظر میں کچھ اور تھا۔ اپنے مسلمان ہونے کا ذکر اس طرح پیش کرتے ہیں۔

کیجیو میں چارہ ہا تو نہ دو طعنہ کیا نہیں   بھولا ہوں حق صحبت اہل کنشت کو

غالب کی شخصیت جس تہذیب کی نمائندگی کرتی ہے اس کا نقشہ بگڑ چلا تھا مگر معیار یہ تھا کہ حق صحبت ادا کیا جائے۔ قدرت کا کوئی ایسا قانون نہیں ہے جس کے مطابق خاص حالات کسی خاص قسم کے انسان کو پیدا کرتے ہوں۔ اگر بہت سے لوگوں پر حالات کا ایک سا اثر پڑتا ہے تو ایسی بھی کافی مثالیں مل جاتی ہیں جو عام نمونوں کے خلاف ہوتی ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ غالب کے دل میں فن میں کمال حاصل کرنے کا حوصلہ ان کے زمانے کی تہذیب نے پیدا کیا۔ اسی وجہ سے انھوں نے شروع ہی سے اپنے لئے ایک الگ راہ نکالی، عام راستے سے ہٹ کر، اردو اور فارسی کو اپنے خاص طرز پر ملا کر ایک نئی مادہ انوکھی زبان بنائی۔ جب اس زبان سے بھی طبیعت مطمئن نہ ہو سکی تو فارسی میں لکھنا شروع کیا اور پھر اسے بھی چھوڑ کر اس زبان میں شعر کہنے لگے جسے اب سنتے ہی ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ غالب کی زبان ہے۔ ہمیں اس پر فخر ہے کہ یہ زبان ہماری زبان ہے، اس میں چاشنی ہے، رنگینی ہے، لچک ہے، روانی ہے اس میں دوستی کا وہ مادہ ہے جو خود غالب میں تھا اور یہ حق صحبت بھی غالب کی طرح ادا کر سکتی ہے۔ پہلے دور میں انھیں احساس تھا اور بعض قدرشناسوں نے احساس دلایا بھی کہ ان کی زبان مشکل اور خیالات پیچیدہ ہیں مگر انھیں یقین تھا کہ لوگ ایک دن ان کے کلام کو ضرور دیکھیں گے اور اس کی قدر کریں گے اس لئے کہ ان کا نغمہ تخیل کے جوش نے پیدا کیا تھا اور کوئی بلبل اس طرح نغمہ سرا ہو تو کوئی موجود باغ اس کے شایان شان نہیں ہوتا۔ مگر غالب اپنی دنیا سے الگ نہیں تھے بلکہ اس میں ایک نغمے کی طرح سرایت کر گئے تھے۔ کہتے ہیں

جام ہر ذرہ ہے سرشار تمنا مجھ سے   کس کا دل ہوں کہ دو عالم سے لگایا ہے مجھے

اسی دور میں جب کہ وہ جوان تھے اور زندگی کا نشیب و فراز بھی زیادہ نہیں دیکھا تھا انھوں نے ایک خیال پیش کیا جو عمر بھر کے تجربے اور مطالعوں کا نچوڑ معلوم ہوتا ہے۔

عروج نا امیدی چشم زخم چرخ کیا جانے   بہار بے خزاں از آہ بے تاثیر ہے پیدا

فارسی کے ایک شعر میں انھوں نے شاعر کا منصب بیان کیا ہے کہ وہ اس دنیا کے کانٹوں کو اپنے دل کے خون میں رنگ کر دکھاتا ہے کہ باغبانی کس طرح کی جاتی ہے اور پھولوں کی قیمت کس طرح ادا کی جاتی ہے۔

آغشتہ ایم ہر سر خارے بہ خون دل   قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم

شاید یہی وہ منزل ہے جب انسان جو اپنے بس بھر محبت، خلوص، فیاضی برت کر حق صحبت ادا کر چکا ہے سوچنے لگتا ہے کہ آخر وہ ہے کیا، اسے اپنے آپ کو پہچاننے، اپنے وجود کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لئے کیا کرنا چاہئے۔ کبھی وہ سمجھتا ہے کہ وہی سب کچھ ہے کبھی دیکھتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں، کبھی شوق اسے آسمان تک پہنچا دیتا ہے، کبھی مایوسی اسے نڈھال کر دیتی ہے، وہ مذہب کا سہارا لینا چاہتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ہر مذہب کے ماننے والوں نے اپنے مذہب کو، اپنی عبادتوں کو، ایک حد تک ایک انتہا سمجھ لیا ہے، خدا تک پہنچنے کی امید نہیں رہی ہے تھک کر بیٹھ گئے ہیں۔

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے   تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

مذہب کا سہارا اس وجہ سے ڈھونڈھا جاتا ہے کہ آدمی کی اپنی تمنائیں پوری ہوں لیکن کبھی وہ دیکھتا ہے کہ یہ تمنائیں بھی اتنی ہیں کہ وہ بے بس ہو گیا ہے کبھی دونوں جہاں کا مل جانا اسے کافی نہیں معلوم ہوتا۔

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا   یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

یا ساری دنیا کو وہ اپنی تمنا کے ایک پیر کا نشان ٹھہرا کر پوچھتا ہے۔

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب   ہم نے دشت امکاں کو ایک نقش پا پایا

یا کبھی وہ سوچتا ہے کہ آرزو کرنا آدمی کی پست ہمتی کی دلیل ہے آدمی دعا مانگے تو سب کچھ لے

تا چند پست فطرتی طبع آرزو   یارب ملے بلندی دست دعا مجھے

لیکن انسان کی طبیعت میں کشمکش پھر بھی باقی رہتی ہے۔ یہ دنیا سکون کی جگہ نہیں، ایک وحشت کدہ معلوم ہونے لگتی ہے، پناہ مل سکتی ہے تو عشق میں، اگرچہ یہ بھی ایک شعلہ ہے، برابر جلاتا اور گھلاتا رہتا ہے۔

ہم نے وحشت کدۂ بزم جہاں میں جوں شمع   شعلۂ عشق کو اپنا سر و ساماں سمجھا

شاعر فلسفی نہیں ہوتا، کسی عقیدے یا نظریے کو دلیلیں دے کر ثابت نہیں کرتا۔ اس کا محرک ایک ہمہ گیر جذبہ ہوتا ہے جسے عشق کہا گیا ہے اور یہ نام ہے ان تمام کیفیتوں کا، ان تمام قلبی واردات کا جو اس پر گذرتی ہیں ان ہی کو وہ دوسروں تک پہنچاتا ہے اور اس کا کمال یہ ہے کہ اپنے بیان کے ذریعہ اپنی کیفیتوں کو دوسروں کی کیفیتیں بنا دے۔ غالب کے عشق میں ہر رنگ ہے، وہ رنگ ہے جس میں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ عشق کی بات کر رہے ہیں یا ہنسی مذاق کی یا سیاست کی۔ چند مثالیں لیجئے اور سوچئے کہ غالب کا منشا کیا ہوگا۔

ہے بس کہ ہر اک ان کے اشارے میں نشاں اور   کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور

یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات   دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک   ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائیں گے کیا

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو
یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو
چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

ایسے شعر زبان زد ہو جاتے ہیں اور بہت سے موقعوں پر بہت سے مختلف قسم کے لوگوں کے کام آتے ہیں۔ اسی کی طرح غالب کے وہ اشعار ہیں جن میں کچھ فلسفیانہ کچھ مذہبی رنگ ہے، یا درد کی کیفیت ہے اور زبان میں وہ سادگی ہے جس سے ہر شخص متاثر ہوتا ہے جیسے۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا
درد منت کش دوا نہ ہوا میں نہ اچھا ہوا، برا نہ ہوا
ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں ورنہ کیا بات کر نہیں آتی
غم ہستی کا اسد کیسے ہو جز مرگ علاج شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

پھر وہ اشعار ہیں جن میں حسن و عشق کے معاملات ہیں۔

پھر کچھ اک دل کو بے قراری ہے سینہ جویائے زخم کاری ہے
رنگ شکستہ صبح بہار نظارہ ہے یہ وقت ہے شگفتن گلہائے ناز کا
بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے
لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں
کس منہ سے شکر کیجئے اس لطف خاص کا پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں

لیکن ایسے اشعار کا لطف اٹھاتے ہوئے ہمیں اس کلام کو مشکل سمجھ کر نظر انداز کرنا چاہئے جس میں جذبات کو فکر میں اس طرح سمویا گیا ہے کہ ان کا صرف دل پر اثر نہیں پڑتا بلکہ ان سے دماغ میں بیداری پیدا ہوتی ہے، خیال اور شوق کے مرتبے اور تاثیر کا اندازہ ہوتا ہے عشق ایک طاقت بن جاتا ہے جو دنیا کو بنا بھی سکتی ہے اور بگاڑ بھی سکتی ہے۔

عرض کیجے جوہر اندیشہ کی گرمی کہاں کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا
جذبۂ بے اختیار شوق دیکھا چاہیے سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا
توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا
شوق ہے ساماں طراز نازش ارباب عجز ذرہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا
غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم

اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہتی کہ زندگی میں شاعر اور شاعری کا مقام کیا ہے خدا کرے ہمارے دلوں میں وہ بے چینی رہے جو غالب کے دل میں تھی اور ہم اپنے اپنے طریقے پر انسان اور انسانیت کو ان بلندیوں تک پہنچانے کی کوشش میں لگے رہیں جن کا عکس غالب کے کلام میں نظر آتا ہے۔ اب میں غالب کی صد سالہ یادگار کے سلسلے میں تقریبات کا افتتاح کرتا ہوں۔

نائب صدر جمہوریہ ہند جناب گری کا غالب کو نذرانۂ عقیدت

نئی دہلی ۱۵ر فروری۔ جذبہ تفصیلات سے بلند و بالا غالب کی شاعری آج بھی مشعل راہ ہے۔ امید ہے کہ آج کے ادبا اور شعرا اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ یہ ہیں وہ الفاظ جناب صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر وی وی گری نے بحیثیت مہمان خصوصی کے

کی حیثیت سے صد سالہ تقریبات غالب کا افتتاح کرتے ہوئے کہے موصوف نے دلی کے لیفٹننٹ گورنر ڈاکٹر دین جھا کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہندوستان کی قومی زبانوں میں ہم نے اردو کو بھی تسلیم کیا ہے اور ٹھیک کیا ہے ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اردو کسی واحد فرقہ کی زبان ہے کیوں کہ ہر فرقہ کے لوگ اردو زبان کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیوں کہ اردو اپنے اندر ادبی کشش رکھتی ہے اور شاعری کو جو فروغ اردو میں حاصل ہوا ہے اور جو گل بوٹے اس نے کھلائے ہیں بہترین ہیں آج بھی اردو غزلیں اور قوالیاں اندرون و بیرون ملک بڑی ادبی شخصیتوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں۔ غالب صرف دنیائے اردو ہی میں شہرت نہیں رکھتے بلکہ ملک کی دوسری زبانیں ہندی، مراٹھی، گجراتی اور بنگالی بھی غالب کی نام لیوا ہیں غالب کے فلسفہ اور ان کے خیال سے فائدہ اٹھانے کے لئے ان زبانوں میں ان کے کلام ہی اشاعت پذیر نہیں ہوتے بلکہ شرحیں بھی شائع ہوئی ہیں۔ (الجمعیۃ)

مرکزی غالب کمیٹی کے نام وزیر اعظم ہند کا پیغام

دہلی۔ وزیر اعظم اندرا گاندھی طبیعت ناساز ہونے کے باعث افتتاحی تقریب میں شریک نہ ہو سکیں۔ ان کا پیغام ڈاکٹر ذاکر حسین کے بھائی پروفیسر یوسف حسین نے سنایا۔ اندرا گاندھی نے غالب کے سیکولرزم اور ترقی پسندانہ انداز فکر کا خصوصیت سے ذکر کیا اور انھیں راجہ رام موہن رائے کی طرح بتایا وزیر اعظم نے کہا کہ غالب ایک عظیم شاعر ہونے کے علاوہ ایک بڑے انسانیت دوست اور قوم پرور تھے یہ غالب تھے جنھوں نے اردو شاعری کو ایک نیا موڑ دیا۔ ان کے فارسی کلام نے ہندوستان اور دوسرے ممالک میں دوستی کے رشتے قائم کئے۔ وزیر اعظم نے بنارس سے متعلق غالب کی مثنوی کا اور ان کی اس خواہش کا ذکر کیا کہ وہ اپنے گناہ دھونے کے لئے گنگا کے کنارے اپنی زندگی گزارتے۔ (ریاست)

ممتاز ہندی کویوں کا غالب کو خراج عقیدت

نئی دہلی ۱۶ر فروری۔ یہاں ایک کوی کا سمیلن منعقد ہوا جس میں ملک کے ہندی کے ممتاز شعرا نے غالب کو شاندار خراج عقیدت پیش کیا۔ صحت خاندانی منصوبہ بندی اور تعمیرات عامہ کے مرکزی وزیر جناب ستیہ نرائن سنہا کے شاہ مہمان خصوصی تھے ہندی کے مشہور شاعر ڈاکٹر ایچ۔ آر بچن نے کوی سمیلن کی صدارت کی۔ (الجمعیۃ)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر و پبلشر سید ضیاء علی نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپایا اور مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا